

سید سلیمان ندوی مرحوم

اسلام اور سود

یورپ کے موجودہ تمدن کی ظاہری چمک دمک اور رنگ و روغن نے لوگوں کے ذہن کو ایسا اپنی طرف مبھایا ہے کہ دلائل کے بجائے یورپ کا طرز عمل ہی مسائل کے خط و صواب اور اعمال کے خیر و شر کا معیار قرار پا گیا ہے۔ کسی رائے کے صواب اور عمل کے خیر ہونے کے لیے یہ دیکھنا کافی ہے کہ یورپ نے اس کا کیا فیصلہ کیا ہے اور اس باب میں طریق کار کیا اختیار کیا ہے۔ اب ہر وہ مسئلہ جو اس کے مطابق نہیں وہ ناجائز اور ہر وہ عمل جو اس کے موافق نہیں وہ شر ہے۔ چنانچہ آج کل کے اکثر مدعیان عقل و نزدیک تحقیق کی یہی راہ صحیح ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ ہم کو اس کی بدولت اپنے بہت سے اصول چھوڑنے پڑے۔ بہت سے مسائل میں مذہبی احکام کی غلطی محسوس کرنے لگے۔ ہمارے بہت سے نوجوانوں کو اپنے مذہبی مسائل میں تبدیلی کا خیال پیدا ہونے لگا۔ بہت سے متکلمین جدید نے اسلام کی مدافعت میں معذرت اور اپالوجی کا رنگ اختیار کیا۔ مثلاً کوشش کرنے لگے کہ کاش کسی طرح اسلام کی پیشانی سے ربانیت کی حرمت کا مٹایا جاسکتا۔ چنانچہ ایک زمانہ وہ بھی تھا کہ مسلمانوں میں سودی رواج کو ترقی دینے کے لیے ایک سوسائٹی بنی اور غلطی گڑھے اور پھر بدالوں سے اس کا اختیار بھی نکلا۔ اور

یہ چھاپے گئے اور لوگوں کو مسلمانوں کے موجودہ عدم ترقی کا سبب اسی مسئلہ حرمت سود
 اعتقاد کو قرار دیا گیا اور یہ دلائل اس زور شور سے پیش کیے گئے کہ خود قرآن پاک،
 نبیؐ اور فقہی روایات تک کی توجیہ و تاویل سے بھٹک نہیں رہی۔ اور کم از کم ایک صدی
 مناظرہ میں ختم ہو گئی اور ہر طرح کوشش کی گئی کہ یہ ثابت کیا جائے کہ علماء دین اس مسئلہ
 میں کا جو حکم سناتے ہیں وہ قطعاً ان کی ذاتی رائے ہے مگر کیا معلوم تھا کہ ایک دن ایسا
 آگیا کہ جب یورپ ان غلط اقتصادی مسائل اور اعمال کا خمیازہ بھگتتے کے بعد اپنے گزشتہ
 سے چونکے گا اور خود آزر کے گھر میں ایسے ابراہیم پیدا ہوں گے جو اپنی غلطی کو تسلیم
 کئے اور ہر قسم کے ربا کی حرمت کا فتویٰ خود اپنے تجربوں اور علم اقتصاد کے تحقیقی اصولوں
 صادر کریں گے۔ پہلے تو سوشلزم اور بالٹیزم تحریکوں کے لازمی نتیجے کے طور پر جواز سود
 اقتصادی کمزوری ظاہر ہوئی اور اب دوسرے ماہرین اقتصاد نے بھی اس کے نقصانات
 اندازہ کیا۔

سود کی حرمت ایک ایسا مسئلہ ہے جس پر نہ صرف اسلام بلکہ دنیا کے تمام مذاہب
 کثرت قدیم حکماء یکساں متفق ہیں۔ راقم نے سود اور صحیفہ انبیاء علیہم السلام کے عنوان
 المسدودہ ۱۹۰۹ء میں ایک مضمون لکھا ہے جس میں یہ دکھایا تھا کہ یونانی اور رومی
 سین نے بھی اس کو اپنے وقت میں ناجائز بتایا ہے۔ اور تورات اور انجیل میں بھی جو غریب
 دن کے صحیفے ہیں ان کو اسی طرح حرام کیا گیا ہے جس طرح وہ اسلام میں حرام ہیں۔ لیکن
 دیوں نے ان حدود کو توڑنے کے لیے جو ان کے دین نے ان پر عاید کی ہیں ہمیشہ سے
 ہر ملک میں کوشش کی ہے اور انھیں کی پیروی عیسائیوں نے کی ہے۔ اس باب میں
 بسے آسان قدم یہ ہے کہ سود کے لیے کہ جو اصل عبرانی یا یونانی لفظ ہوگا اُس کا ترجمہ
 روائع کر کے اس کے معنی کو تفسیر و تبدیل کے قالب میں ڈھال کیا گیا۔ (ترج ۲۲-۲۵-۲۶)
 اسی سے انٹریٹ یعنی سودی منافع اور بوٹری یعنی بیاج کی اصطلاحیں نمودار ہوئیں
 پہلے کو جائز اور دوسرے کو حرام ٹھہرایا گیا۔ حالانکہ یہ بالکل بے ثبوت بات ہے۔ اور
 لوں میں ترقی نقصان کی کمی اور پیشی کا ہے۔ نقصان اور عہم نقصان کا نہیں ہے۔

اسی طرح شخصی مہاجنی قرضہ پر سود کو فن کی حیثیت سے ناجائز بتانا اور کی مجموعی کاروباری شکل کو جس کا نام سترھویں صدی کے شروع سے بینکنگ سسٹم جائز کہنا گویا یہ کہنا ہے کہ چوری تو ناجائز ہے مگر ڈاکہ جائز ہے۔ یعنی ایک جرم تو آدمی کرے تو وہ ناجائز اور سوسائٹی کے لیے مضر ہے مگر جب اس جرم کو سارے چند آدمی مل کر کریں تو وہ جائز ہو جائے گا۔

اسلامی عقیدے کے مطابق سود سے کبھی بھی کوئی قومی فلاح یا دنیاوی بہبود ہو سکتی۔ قرآن پاک کا فیصلہ ہے :

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا دِيْنُكُمُ الصَّدَقٰتِ اللّٰهُ تَعَالٰی سود کو مٹاتا ہے اور صدقہ کو بڑھاتا بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ سودی کاروبار سے ملک کی دولت میں ترقی ہوتی۔ محض فریب نظر اور دھوکہ ہے۔ فرق عرف اس قدر ہے کہ مہاجنی قرضہ کے سود سے صرف چند اشخاص کی دولت بڑھتی اور سارے اہل ملک کی دولت گھٹتی تھی، بینکنگ اور کوآپریٹو سوسائٹی کے سسٹم میں چند اشخاص کے بجائے سینکڑوں اشخاص کی دولت کو ترقی ہوتی ہے مگر اس کے مقابلے میں لاکھوں کی دولت کم ہوتی ہے تر سینکڑوں کی دولت بڑھتی ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ سود کو جس حیثیت رواج دیا جائے وہ اپنی تباہی پھیلانے بغیر نہیں رہ سکتا۔ دیہاتی اتحادی (کوآپریٹو بینک) کے رواج اور فوائد و برکات پر آج کل بہت زور دیا جاتا ہے میں شبہ نہیں کہ شرح سود کی نسبتہ کمی اور طریق وصول کی نسبت آسانی کے لیے شرح مہاجنی سودی قرضوں کے مقابلے میں وہ رحمت ہے۔ لیکن اس بھی سوسائٹی کے بڑے زمیندار چھوٹے زمینداروں کو بے تکلف ہڑپ کرتے بلکہ کاشت کاروں کو اپنی زمینیں بیچنے کے لیے مجبور ہو جانا پڑتا ہے۔

قرض انسان کی ایک ضروری حاجت ہے۔ اس حاجت کا دفعیہ اسلام کے بجائے اخلاق سے کیا ہے۔ اس نے ضرورت مندوں کو قرض دینا ثواب ہے اور اس قرض پر مقروض سے کسی قسم کا فائدہ اٹھانا سود قرار دیا ہے۔ اہل آ

تو اس باب میں یہاں تک احتیاط کی ہے کہ مقروض کے یہاں دعوت کا قبول کرنا
ی مشتبہ بتلایا ہے بلکہ لوگوں کو ہدیہ اس غرض سے دینا بھی کہ ان سے کچھ زیادہ وصولی
موقع ملے، ربا کے اندر داخل کیا ہے۔ اسی طرح اسلام نے ہم جنس اشیاء کے تبادلہ
بن زیادتی کو اگرچہ دونوں میں اچھائی اور برائی کا فرق ہو مشابہ ربا قرار دیا ہے۔ گو اس
یادتی اور جنس کی حقیقت اور اس کے قیود و شروط میں فقہائے مجتہدین کے اختلافات
ہیں تاہم اصل حقیقت پر سب کا اتفاق ہے۔ اسی طرح سونا چاندی کے مبادلہ میں
گر جنس ایک ہے تو زیادتی ہے اور زیادتی اسلام میں ربا ہے، اس سے سکون کی کم و بیش
شرح مبادلہ کا وہ ظالمانہ دستور جو آج ساری دنیا میں شائع ہے اور جس کی بدولت یورپ
میں ہزاروں آدمی گھر بیٹھے بننے اور بگڑتے ہیں۔ وہ تمام تر اسلام میں ناجائز ہے۔ اسلام
میں چاندی اور سونے کی اصلی حیثیت صرف نقدی تسلیم کی گئی ہے۔ اس لیے اس کو سامان
آرائش میں صرف کرنے کی اجازت حد مناسب سے آگے نہیں دی ہے۔ مردوں کے لیے
چاندی کے چند ماشوں کے علاوہ خالص چاندی کا ہر استعمال قطعاً حرام ہے اور عورتوں
کے لیے حد مناسب سے افراط کو کراہت کے درجہ میں بہر حال رکھا ہے۔ سونے اور چاندی
کے ظروف اور سامان کے استعمال کی قطعی حرمت ہے۔ اگر دنیا ان اصولوں پر عمل کرے
تو آج کسی ایک ملک ہی میں نہیں بلکہ دنیا میں ضروری کاموں کے لیے نقدی کی کتنی فراوانی
ہو سکتی ہے۔

اسی اصول کی بنا پر سونے چاندی کو خزانہ بنا کر زمین میں گاڑ کر یا بے وجہ روک کر
رکھنا گناہ عظیم ہے:

اور جو لوگ گاڑ رکھتے سونا اور چاندی اور اللہ	وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ ذَوَاتِ الذَّهَبِ
کی راہ میں اس کو خرچہ نہیں کرتے۔ سوان کو دکھوالی	وَالْفِضَّةِ وَلَا يَفْقَهُوا نَفْعًا مِّنْهَا فَيَسِيلُ
بار کی خوشخبری سنا دے۔	اللَّهُ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ •
پھٹکارا ہر گھروے والے غیب پہنچنے والے پر	وَيُسِيلُ الرَّحْمٰنُ سَكْرَتَهُ لَسَدَقِيرٍ •
بہن نے مارا کہ کھوئی اور کن کو رکھا۔ بہت سے کہ	ثُمَّ يَجْمَعُ مَا كَانُوا يُكْنِزُونَ وَيَسْأَلُهُمْ

اِنَّ مَالَكُمْ اَتَّخَذْتُمْ ۝ اس کا مال اس کو سدا رہے گا۔

اسی اصول کی بنیاد پر راجتکار جو مناپولی کی بنیاد ہے اسلام کے قانون میں منع ہے۔ کیونکہ اس سے عام ضرورت کی کوئی خاص چیز کسی ایک شخص کے قبضہ میں آکر رک جاتی ہے۔

انسان کا ضرورت کے سبب سے مقروض ہونا واقعہ کم ہوتا ہے۔ قرض کا سبب زیادہ تر عیاشانہ فضول خرچی ہوتی ہے۔ اس کی پہلی روک یہ ہے کہ سونا چاندی اور سونے چاندی کی چیزوں کی ادھار خرید و فروخت کی ممانعت کر دی گئی ہے۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ بے ضرورت عیاشانہ سامان وہی خریدے گا جس کے پاس زائد از ضرورت روپیہ ہوگا۔ اسی طرح فقری و طلبی اشیاء میں صنعت کاری کی قیمت کا اعتبار اس نے نہیں کیا ہے گو بعض فقہاء کو اس میں اختلاف ہے۔ تاہم اس حد تک اتنا ضروری ہے کہ فقری و طلبی اشیاء میں صنعت کاری کی قیمت یا اجرت کی ہمت افزائی اسلام نے نہیں کی ہے۔ اس کا منشا اس آرٹ کی مخالفت نہیں بلکہ طلبی و فقری اشیاء کے عدم استعمال کی صورت پیدا کرنا ہے جو اسی صنعت کاری ہی کی بدولت قابل استعمال ہوتی ہیں۔

انہراف اور فضول خرچی کو قرآن پاک نے شیطان کا فعل قرار دیا ہے اور اس کا سبب بھی بتا دیا ہے کہ مشرف اور فضول خرچ سوسائٹی کے لیے وبال بن جاتا ہے اور یہی آخر مجرم بن کر جرائم کا مرتکب بنتا ہے۔

دوسری طرف بھگل، اس نے قیامت کے دن گردن کا طوق بنا دیا۔ کیونکہ بھگل کا وجود بھی سوسائٹی کے لیے نحوست ہے کہ اس کی دولت مخلوق کے کام نہیں آتی۔

ضرورت مند کو قرض دینا اس نے ثواب کا بہترین عمل بتایا ہے۔ لیکن جو لوگ قرض لے کر استطاعت کے باوجود ادا کرنے میں دیر کریں ان کو ظالم کا خطاب دیا ہے۔ اور جو لوگ بے قرض ادا کیے مرجائیں تو ان کے ترکہ میں سب سے پہلے قرض ادا کرنا ضروری قرار دیا ہے اور قرض ادا کیے بغیر مرجائیں تو ان کے جنازہ کی نماز پڑھنے میں بھی تاہل کیا گیا ہے۔

اسلام نے ضروری قرض کے لیے خود حکومت کو بلا سود قرض دینے کے انتظام کی اجازت دی ہے۔ چنانچہ خلافت راشدہ میں بیت المال سے قرض لیا جاتا تھا، جس کی ادائیگی اگر ان کی زندگی میں نہ ہوئی تو ان کی متروکہ جائیداد اور دولت سے اس کی وصولی متوفی کی وصیت کے مطابق عمل میں آتی اور اگر وصیت نہ بھی ہوتی تو بھی متروکہ سامان سے اس تقسیم ترکہ سے پہلے قرض ادا کر دیا جاتا۔

تجارتی مالی تعاون کے لیے اسلام نے جس طریقہ کو پسند کیا ہے وہ مضاربت ہے یعنی اہل سرمایہ سرمایہ دیں اور کام کرنے والے اپنی محنت شامل کریں اور اس طرح سرمایہ اور محنت مل کر بونفع حاصل ہو اس کی تقسیم بحدہ مشاع قرارداد کے مطابق کی جائے، جس کے قواعد اور قوانین کتب فقہ میں موجود ہیں۔

اگر کوئی چاہے تو بینک کو اسلامی سسٹم کے مطابق قائم کیا جاسکتا ہے۔ بینک اس کا مقصد ایک خزانہ ہے جس میں بہت سے لوگوں کی رقوم جمع ہو سکیں۔ ان کی دقتیں کی جاسکتی ہیں۔ ایک کا نام امانتی رکھا جائے۔ اس کی دو شاخیں ہوں :-
۱۔ امانت خالصہ یعنی ایسی امانت جس کو بعینہ محفوظ رکھنا مشروط ہو۔ اس امانت کی حفاظت اور انتظام کا خرچ امانت رکھوانے والوں سے وصول کیا جاسکتا ہے۔
۲۔ امانت باجازت یعنی ایسی امانت جس میں تصرف کا اختیار بینک کو دیا جائے مگر مطالبہ کے وقت بلا زیادتی و کمی اس کا بدلہ دیا اور لیا جائے۔

تیسری قسم ایسی رقوم کی ہوگی جس کے جمع کرنے والے مدت معینہ کے لیے اپنی رقم بینک کے حوالے کریں۔ بینک ان رقوم کو مختلف تجارتی صیغوں میں خود لگائے یا دوسرے تجارت گاہوں کو بطور مضاربت دے اور منافع کو مالکان رقوم اور کام کرنے والوں بحدہ مشاع تقسیم کرے۔

”حقدہ مشاع“ سے مقصود یہ ہے کہ عدد معین جیسے تین فیصدی، چار فیصدی کے بجائے حصہ متعین مقرر کیا جائے۔ مثلاً تہائی، چوتھائی، پانچواں، چھٹا وغیرہ جس کا اطلاق

لیکن ان رقموں کا کوئی حصہ قرض پر منافع پر نہیں لگایا جاسکتا۔ البتہ قرض بہرین پر دیا جاسکتا ہے۔ گو اس شے مرہون سے استقاع اور شروط استقاع میں فقہاء کا اختلاف ہے۔ مگر اس اختلاف کی تفصیلات کو حل کیا جاسکتا ہے۔ لیکن فقہ حنفی و شافعی میں اس کی گنجائش کم بھل سکتی ہے۔

شاہ ولی اللہ رحمہ تعلیم (اردو)

از پروفیسر غلام حسین جلبانی

پروفیسر جلبانی ایم۔ اے سابق صدر شعبہ عربی سندھ یونیورسٹی کے برسوں کے مطالعہ و تحقیق کا حامل یہ کتاب ہے۔ اس میں مصنف نے حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ کی پوری تعلیم کو جمع کر دیا ہے اور اس کے تمام پہلوؤں پر سیر حاصل بحث کی ہیں۔ پہلا ایڈیشن ختم ہو گیا ہے اور قدر دان پڑھنے والوں کے احزاب پر دوسرا ایڈیشن جلد شائع ہو رہا ہے۔ میاں طباعت کا خاص خیال رکھا گیا ہے۔

ت ہے
طرح
مابق کی

”بینک“
ان کی د

ن :-

لا ہو۔ اس

کیا جاسکتا

دیا جائے

یہ اپنی رقم

نے یاد دہا

نے والوں

صدی کے

بس کا اطلا